Fikr-o-Nasar (Islamabad) 46:1,2 (2008)

فکر و نظر............ اسلام آباد　　جلد: ۴۶　　شمارہ: ۲،۱

ڈاکٹر ابوالخیر کشفی کی شخصیت نگاری

شبیر قادری

ڈاکٹر ابوالخیر کشفی کا نام دنیائے شعر و ادب میں بہت معروف ہے۔ ان کا علمی و ادبی مرتبہ و مقام بھی مسلمہ اور معتبر ہے۔ ڈاکٹر صاحب موصوف ہمہ جہت شخصیت کے مالک ہیں۔ ایک ادبی جہت ان کا شخصیت نگار ہونا بھی ہے۔ ''یہ لوگ بھی غضب تھے'' کے نام سے ان کے شخصی خاکوں کا مجموعہ شائع ہو کر اہل فن سے داد پا چکا ہے۔ جس میں کشفی صاحب نے ان شخصیات کے محاسن و مکارم بیان کیے ہیں جن کے ساتھ انہیں براہِ راست ملنے جلنے اور اٹھنے بیٹھنے کے مواقع میسر آتے رہے۔ چند قلمی خاکے ایسے بھی ہیں جن کے بارے میں جب مصنف نے قلم اٹھایا تو شخصیات بقید حیات تھیں۔ کتاب میں شامل اکثر شخصیات کے بارے میں یادوں کے سہارے بعد از وفات لکھا گیا ہے:

چند دیگر اصناف کی طرح کچھ خاکہ نگار بھی انتہا پسند واقع ہوئے ہیں اور وہ زیرِبحث شخصیت کی کمزوریاں اور خامیاں اس بے دردی سے ابھارتے ہیں کہ بجائے دلچسپی پیدا ہونے کے شخصیت سے نفرت سی ہونے لگتی ہے اور ساتھ ساتھ لکھنے والے سے بھی کہ اِس نے اپنے دل کا بار تو ہلکا کر ہی لیا ہے، صنف خاکہ کو بھی نقصان پہنچانے کی مذموم کوشش کی ہے۔ مگر ڈاکٹر ابوالخیر کشفی نے اپنے ممدوحین کے اوصاف بیان کرنے پر ہی زیادہ توجہ دی ہے۔ اس لیے کہ وہ ''اسے آج کے اندھیرے میں چراغ جلانے کا عمل'' گردانتے ہیں۔ چراغ جلانے، اچھائی اور سچائی کو فروغ دینے کے اس عمل میں ڈاکٹر صاحب کہیں کہیں جذباتی بھی ہو گئے ہیں مثلاً جب وہ ''محمود حسین'' کے بارے میں لکھتے ہیں کہ:

> ''ڈاکٹر محمود حسین کی موت کے بعد آج کراچی یونیورسٹی میں مجھے کوئی ایسی شخصیت نظر نہیں آتی جس کے سامنے لوگ اپنے اسالیب گفتگو میں ترمیم کر لیں۔ ٹھہر کر اور ذمہ داری کے ساتھ لب کشائی کریں......''

تو مجھے نہیں معلوم کہ انہیں ایسا لکھنا چاہیے تھا یا نہیں مگر اس سے ابوالخیر کشفی کی اپنے ممدوح کے ساتھ بے پناہ عقیدت، محبت اور لگاؤ کا اظہار ضرور ہوتا ہے۔

شخصیات تو اس ادارے میں اور بھی ایسی ہوں گی جو فرشتہ صفت نہیں تو ''محمود صفت'' ضرور ہوں

© Dr Muhammad Hamidullah Library, IIU, Islamabad.　　http://iri.iiu.edu.pk/

گی۔ مگر یہ امر طے ہے کہ کشفی صاحب لکھتے ہوئے اپنے ممدوح کو قاری سے متعارف نہیں کروا رہے ہوتے بلکہ وہ اس انداز سے لکھتے ہیں کہ پڑھنے والا ان کے ممدوح کو پہلے سے جانتا ہے۔ اور بخوبی جانتا ہے۔ بس چند پہلو ہیں اس شخصیت کے جن سے شاید پڑھنے والا کسی وجہ سے باخبر نہ ہو۔ اس کتاب کے بیشتر خاکوں میں یہی سوچ کارفرما ہے۔

ڈاکٹر ابوالخیر کشفی نے اپنے خاکوں کے جو عنوانات قائم کیے ہیں وہ بجائے خود توجہ کش ہیں۔ مثال کے طور پر مولوی عبدالحق کے خاکے کا عنوان ہے: ''شہر اُردو کی شہر پناہ'' مولانا حسرت موہانی کے خاکے کا عنوان ہے: ''گم ان میں تھے آفاق'' علامہ نیاز فتح پوری کے بارے میں لکھے ہوئے خاکے کا نام ہے: ''مرد ہزار، شیوہ'' ممتاز حسن کے خاکے کا عنوان ہے: ''انسان+آدمی'' سید سلیمان ندوی کے خاکے کا عنوان باندھا ہے: ''علوم اسلامیہ کی جوئے شیر کا فرہاذ''۔ گویا دیے گئے عنوانات ہی میں خاکہ نگار نے متعلقہ شخصیت کی ہمہ جہت پھیلی ہوئی حیات اور کارناموں کا نقشہ کھینچ کر رکھ دیا ہے۔ میرے خیال میں اس قسم کے عنوانات پڑھ کر پوری تحریر پڑھنے اور بغور پڑھنے کی تحریک ملتی ہے۔

ڈاکٹر ابوالخیر کشفی کے خاکوں کا آغاز بڑا دلچسپ اور چونکا دینے والا ہوتا ہے اس میں زبان و بیان کی چاشنی دوہرا لطف دیتی ہے۔ مثال کے طور پر ایک ادھوری کہانی'' کے زیر عنوان اپنے عمو جان حضرت ثاقب کانپوری کے بارے میں لکھنے کا آغاز یوں کرتے ہیں کہ:

> ''یہ ایک ایسے آدمی کی کہانی ہے جس سے میرا رشتہ بہت پرانا ہے، میری عمر یہی ایک دو برس کم چالیس کی ہے اور اس آدمی سے میرا رشتہ بھی اتنا ہی پرانا ہے۔ رشتہ کی یہی ازلیت اور قربت ہمیشہ مجھے یہ کہانی کہنے پر اکساتی رہی ہے اور روکتی رہی ہے، یہ تضاد گہرے رشتہ کی ایک پہچان ہے اور آج یہ کہانی لکھنے بیٹھا ہوں تو ڈور کا سرا گرفت میں نہیں آ رہا۔ بیتے ہوئے لمحے مچھلیوں کی طرح انگلیوں میں پھسل پھسل کر وقت کے دریا میں چھلانگ لگا رہے ہیں......''

اسرارالحق مجاز کے خاکے کو''اس کے جنوں کی داستان'' کا عنوان دے کر لکھتے ہیں: ''اقبال نے تمنا کی تھی: ؎

کبھی اے حقیقت منتظر نظر آ لباسِ مجاز میں

اور اللہ میاں نے اسرارالحق مجاز کو پیدا کر دیا''۔

''ہر چند سبک دست ہوئے'' کے عنوان سے بی-اے ہاشمی کے خاکے کا آغاز یوں کرتے ہیں:

''بی-اے ہاشمی جب پروفیسر اے-بی-اے حلیم کے بعد کراچی یونیورسٹی کے وائس چانسلر ہوئے تو یار لوگوں کو اکبر الہ آبادی کا مصرعہ یاد آیا:
ہم تو اے بی میں رہے، اغیار بی-اے ہو گئے، انگریزی چلن اور تقلید مغرب نے کیسے اچھے اچھے ناموں کی عاقبت خراب کی ہے، جناب بی، اے ہاشمی دراصل بشیر احمد ہاشمی ہیں۔ حلقہ پطرس کے رکن، ذہانت کا سرچشمہ......''

ڈاکٹر ابوالخیر کشفی نے خاکہ نگاری کے اس عمل میں اپنی بات کو مدلل اور مؤثر بنانے کے لیے شعروں، مصرعوں کا سہارا بھی لیا ہے۔ جا بجا نہیں بلکہ موقع و محل کی مناسبت سے اور اس انداز سے کہ شعر یا مصرعہ انگوٹھی میں نگینے کی طرح فٹ بیٹھے۔ ''جلا آدمی'' سلیم اللہ فہمی کے بارے میں لکھا ہوا خاکہ ہے۔ اس میں ایک جگہ رقم طراز ہیں کہ:-

''میں نے گزشتہ دس بارہ سال میں کئی خاکے اور جاننے والوں پر تأثراتی مضامین لکھے ہیں لیکن اپنی تمام تر کاوشوں اور کوششوں کے باوجود اپنی امی، طاہرہ مرحومہ، مظفر حسین کاظمی، علی اکبر قاصد صاحبان کے بارے میں کچھ نہ لکھ سکا۔ اب اس فہرست میں ایک اور پیارے بلکہ ایک اور ''آسمان'' کا اضافہ ہو گیا ہے۔ سلیم اللہ فہمی...... آسمان لکھنے کے بعد سوچنے لگا کہ آخر آسمان کا لفظ اس وقت قلم سے لکھا ہی کیوں؟...... جواب خواجہ آتش مرحوم کے اس مصرعے کی صورت میں مل گیا:

زمین کھا گئی آسماں کیسے کیسے

اور لیجئے یہ مرزا یگانہ کہہ رہے ہیں کہ:-

پہاڑ کھودنے والے زمین سے ہار گئے
اس زمیں میں دریا سمائے ہیں کیا کیا

ڈاکٹر ابوالخیر کشفی نے اپنے ان خاکوں کے ذریعے بعض بڑی دلچسپ اور حیرت زا معلومات بہم پہنچائی ہیں۔ کچھ اپنی یادداشت کے بل بوتے پر اور بعض متعلقہ شخصیت کے حوالے سے۔ آخر تک پڑھنے سے تعلق رکھتا ہے۔ اسی طرح کتاب کا پیش لفظ ''چہرہ نما'' بھی معلومات افزا ہے:

''ایک صاحب تھے، سید سجاد حیدر یلدرم...... وہی جن کی آنکھوں کی ٹھنڈک قرۃ العین حیدر آج اُردو افسانوی ادب کا سب سے بڑا نام ہے...... مگر یہ صاحب بڑے مظلوم تھے اور

اب تک ہیں۔ اُردو افسانہ کی تاریخ لکھنے والوں نے اوّلیت کا تاج منشی پریم چند کے سر پر رکھ دیا ہے، حالانکہ سیّد سجاد حیدر بھی ہیں۔ اس طرح ہمارے محققین مرزا فرحت اللہ بیگ کے مضمون نذیر احمد کی کہانی، کچھ ان کی کچھ میری زبانی کو اُردو کا پہلا باضابطہ خاکہ قرار دیتے ہیں...... سیّد سجاد حیدر یلدرم اس سے پہلے حسرت موہانی کا خاکہ خانی خان کے نام سے لکھ چکے تھے جو دسمبر ۱۹۰۸ء کے رسالہ زمانہ کانپور میں شائع ہوا تھا۔ میری رائے میں ۸۰ برس کی یہ درمیانی مدت اس خاکے کے معیار کی شہادت ہے کہ آج بھی اس خاکہ نویسی کے معیار شرائط اور مطالبات کے طور پر پیش کیا جا سکتا ہے''۔

الغرض یہ اور اس نوع کی بیش قیمت معلومات ان خاکوں کے بالاستیعاب مطالعہ سے قاری تک پہنچتی ہیں اور شخصیت کے ساتھ ساتھ فن کے بارے میں آگاہی سے قاری دوہرا لطف اٹھاتا ہے۔ ابوالخیر کشفی نے چراغ جلانے اور اندھیرا دور کرنے کی خاطر آندھی میں چراغ اور پرانے چراغ کے سلسلہ کے جو خاکے لکھے ہیں، وہ یقیناً ایک قابل قدر کوشش ہے۔ ''چہرہ نما'' میں موصوف رقمطراز ہیں کہ:

''اس کتاب کا بنیادی رشتہ'' چند ہم عصر ''گنج ہائے گرانمایہ'' یاد رفتگاں ''آندھی میں چراغ، ''پرانے چراغ'' سے ہے۔ مولوی عبدالحق، رشید احمد صدیقی، سیّد سلیمان ندوی اور خواجہ غلام سیدین رحمۃ اللہ علیہم اور مولانا سیّد ابوالحسن ندوی مدظلہ کی طرح میں نے شخصیتوں کے انہی پہلوؤں پر زور دیا ہے۔ جن سے ہماری زندگی اور ہمارا ماحول روشن ہو سکے۔ آج بہت اندھیرا ہے اور ضرورت چراغ جلانے کی ہے تاکہ وقت کی محراب میں روشن ان چراغوں کی روشنی قلب و نظر کو متأثر کر سکے۔

آگے جا کر ڈاکٹر صاحب لکھتے ہیں کہ:

''ان خاکوں کا ادب میں کیا مقام ٹھہرے گا؟ یہ میرا مسئلہ نہیں۔ میری تمنا اور خواہش صرف یہ ہے کہ جن بزرگوں کا ذکر ان صفحات میں موجود ہے ان کی یادیں دلوں میں قائم رہیں اور ان کی نیکیاں پڑھنے والوں کو متأثر کریں اور بدلے ہوئے ماحول اور فضا میں یہ محاسن نئے پیکروں میں ڈھل کر سامنے آ سکیں۔ ہمیں فرشتوں کی ضرورت نہیں ایسے افراد کی ضرورت ہے جو انسان بھی ہوں اور آدمی بھی، لاگ بھی رکھتے ہوں اور لگاؤ بھی اور جو زندگی کو حسین تر بنا سکیں''۔

ڈاکٹر ابوالخیر کشفی نے پیش لفظ میں گویا ان خاکوں کا مقصد تخلیق ادبی بیان کر دیا ہے۔ ٹھیک ہے

کچھ سخت گیر نقاد اس نوع کے مضامین کو خاکوں کا درجہ دینے سے کتراتے ہیں مگر انہیں شخصی مضامین تو قرار دینے سے انکار نہیں کر سکتے۔ یوں بھی خاکہ نگاری ہو یا شخصیت نگاری۔ شخصیات اور ان کی زندگی کے نمایاں پہلوؤں کے ادیبانہ بیان کا نام ہے۔ ڈاکٹر ابوالخیر کشفی اس فن میں صد فیصد کامیاب رہے ہیں، انہوں نے بقول خود:

''بعض خاکوں میں شخصیت اور فن دونوں کا تذکرہ کیا ہے''۔

شخصیت اور فن کے اس تذکرے سے فنکار کے افکار اور فن کو شخصیت کے سہارے سمجھنے سمجھانے کی جو ''سعی خیر'' کی گئی ہے اس تناظر میں ہم کہہ سکتے ہیں کہ ڈاکٹر ابوالخیر کشفی کا نام اس صنف ادب میں تا دیر زندہ رہے گا۔ اس لیے کہ ان کی منتخب شخصیات میں مشرق کا گریہ و نیم شبی بھی ملتا ہے اور بکھری شخصیات نکھر کر سامنے آتی چلی جاتی ہیں۔ ڈاکٹر ابوالخیر کشفی کی شخصیت نگاری تازگی اور شگفتگی کی دولت سے مالامال ہے اور یہ تازگی اور شگفتگی ان کے دلکش اسلوب کی بدولت بھی ہے جو سادگی اور سلامت کا عمدہ نمونہ ہے۔ شخصیت نگاری کے نازک عمل سے گزرتے ہوئے ڈاکٹر ابوالخیر کشفی کا قلم عالمانہ نہیں والہانہ شان کا حال ہوتا ہے، اس میں ممدوح و محمود شخصیت سے محبت اور چاہت کا بھرپور تأثر ملتا ہے۔ ابوالخیر کشفی اپنے ان توصیفی خاکوں میں جزئیات پر بھی توجہ دیتے ہیں مگر اس فنکاری کے ساتھ کہ وہ پڑھنے والے کے لیے اکتاہٹ کا سامان نہ ٹھہریں۔ ابوالخیر کشفی نے شخصیت کے شایانِ شان انداز ہی اپنایا ہے۔ شخصیت نگاری مشاہدات و محسوسات کے تأثراتی بیان کا نام ہے اور یہ تأثرات خالصتاً ذاتی ہوتے ہیں۔ ابوالخیر کشفی نے بھی ذاتی تأثرات ہی سے کام لیا ہے۔ اس عمدہ پیرائے میں کہ پڑھنے والا بھی اس شخصیت سے ذاتی تعلق محسوس کرنے لگتا ہے۔ ابوالخیر کشفی نے جن شخصیات کے خاکے لکھے ہیں، وہ بلاشبہ Towering Personalities ہیں اور ان ٹورنگ پرسنلٹیز کے بارے میں لکھتے ہوئے ابوالخیر کشفی خود بھی Towering Personality بن گئے ہیں۔

حواشی و حوالہ جات

۱۔ محمد عبداللہ قریشی ''آئینہ اقبال'' لاہور سنگ میل پبلیکیشنز، اردو بازار، ۱۹۶۷ء، ص ۶۸

۲۔ اے ایم خالد ''اقبال کا خصوصی مطالعہ'' لاہور، علمی کتاب خانہ، ۱۹۹۵ء، ص ۲۳۳

۳۔ محمد عبداللہ قریشی، ''آئینہ اقبال''، لاہور، سنگ میل پبلی کیشنز، اُردو بازار، ۱۹۶۷ء، ص ۷۲

۴۔ ایضاً،

۵۔ ایم اے خالد، پروفیسر، ''اقبال کا خصوصی مطالعہ''، لاہور، علمی کتاب خانہ، ۱۹۹۵ء، ص ۲۲۹

☆☆☆☆☆